اپنی آبادی میں اضافہ...... یورپ کی اوّلین ترجیح

برطانیہ میں آج زیادہ تر عورتیں وہ ہیں جو ۴۰ سال کے بعد بچہ پیدا کرتی ہیں اور ان میں شرح پیدائش نوجوان عورتوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ نوجوان عورتیں تو بچہ چاہتی ہی نہیں۔ BBC کے مطابق ۴۰ سال کی زچہ عورتوں کی تعداد میں گزشتہ دس سال میں دگنا اضافہ ہوگیا ہے۔

شمالی آئرلینڈ والے بھی پریشان ہیں کہ ان کی آبادی کی شرح کم ترین سطح تک پہنچ گئی ہے۔ ۲۰۰۲ء میں ۲۱،۳۸۵ بچے پیدا ہوئے۔ گذشتہ سال کی نسبت اس میں ۵۷۷ کی کمی ہوئی ہے۔ بہتر شرح پیدائش وترقی کے لئے یورپی ماہرین نے ۲ء۱ بچے فی عورت کی حد مقرر کی ہوئی لیکن یورپ کے اکثر ممالک اس آخری حد سے بھی نیچے جاچکے ہیں۔ اور اکثر کی شرح ۵ء۱ سے بھی نیچے ہے۔ G8 ممالک بھی آج کل اسی بحران سے نمٹنے کے لئے اقدامات کرنے پر کئی اجلاس کرچکے ہیں۔

سنگاپور میں جہاں شرحِ پیدائش ۲۶ء۱ بچے فی عورت پہنچ گئی ہے، حکومت نے آبادی بڑھانے کے لئے باقاعدہ ایک وزیر کا تقرر کردیا ہے تاکہ وہ ایسی پالیسیاں لائے کہ لوگ آبادی بڑھانے پر تیار ہوجائیں۔ اس کے لئے حکومت نے اب تیسرا یا چوتھا بچہ پیدا کرنے پر والدین کو ۱۰ ہزار ڈالر انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ آسٹریلیا میں بھی شرحِ پیدائش مجموعی طور پر ۸ء۱ بچے فی عورت تک پہنچ گئی ہے، چنانچہ اس کو بڑھانے کے لئے حکومت والدین بالخصوص عورتوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں، مراعات اور ملازمت سے زیادہ سے زیادہ چھٹیاں دینے کے اقدامات کررہی ہے۔

جاپان میں شرحِ پیدائش ۲۹ء۱ بچے فی عورت رہ گئی ہے جو دنیا میں کم ترین ہے۔ یہاں ۵ء۱۹ فی صد لوگوں کی عمر ۶۵ سال یا اس سے زیادہ ہے۔ فرانس میں جہاں آبادی کی شرح ۸ء۱ بچے فی عورت ہے، وہاں بھی آبادی بڑھانے کے لئے خواتین کو تیسرا یا چوتھا بچہ پیدا کرنے پر تین برس تک باقاعدہ معقول ماہانہ وظیفہ دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ جرمنی میں جہاں ۳۷ء۱ بچے فی عورت کی شرح ہے، نئے نویلے جوڑوں کو مکانات کے لئے بلاسود قرضے فراہم کئے جارہے ہیں اور ہر نئے بچے کے ساتھ قرضے کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ قبل یہودی جوڑوں کو اسرائیلی وزیراعظم شمعون نے ہدایت کی تھی کہ ''وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں کیونکہ اسرائیل کی آبادی کم ہورہی ہے۔ اگر آبادی اس رفتار سے کم ہوتی رہی تو قومی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ یاد رہے کہ غزہ (فلسطین) میں دنیا کی سب سے زیادہ شرحِ پیدائش یعنی ۸ء۱ فی صد ہے۔

آبادی میں اضافہ کے لئے رومانیہ کی حکومت نے قانون جاری کیا ہے کہ ۵ سے کم بچوں والی عورتیں اور جن کی عمر ۴۵ سال سے کم ہو، اسقاطِ حمل نہیں کراسکیں گی جبکہ ایسے جوڑوں پر ٹیکس بڑھا دیا جائے گا

جن کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ یادرہے کہ رومانیہ میں شرحِ پیدائش ۱ء۳۶ بچے فی عورت ہے۔

چین میں جہاں آبادی کی شرح صرف ۱ء۷ بچے فی عورت ہے، وہاں ایک گھرانہ ایک بچہ پالیسی کے نتیجے میں لڑکوں اور لڑکیوں کی آبادی میں شدید عدمِ توازن پیدا ہو چکا ہے۔ الٹرا ساؤنڈ میں لڑکی آنے پر اسقاط کرا دیا جاتا ہے اور یوں لڑکیوں کو ہلاک کرنے کی ظالمانہ رسم پھر لوٹ آئی ہے۔ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ۲۰۲۰ء تک چین میں ۴ کروڑ مرد کنوارے رہ جائیں گے اور چینی ماہرین کے مطابق اس کا نتیجہ عصمت فروشی اور عورتوں کی ناجائز تجارت کی صورت میں نکلے گا۔ چینی حکومت اس پر فکرمند ہے اور مناسب اقدامات پر غور کررہی ہے۔ یہی صورت حال بھارت کی ہے، جہاں ویشوا ہندو پریشد آئے دن ہندوؤں سے کہتی رہتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں کیونکہ اعداد وشمار کی کمی ہورہی ہے۔ راجیو گاندھی کے دور میں آسام اور کئی دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کی زبردستی فیملی پلاننگ اور نس بندی کی گئی تھی۔

روس جہاں چند سال قبل مسلمانوں کی آبادی ۵ گنا بڑھ رہی تھی اور سلاوی اپنے آپ کو اقلیت میں جاتا محسوس کررہے تھے، چنانچہ روسی حکومت نے فوری اقدامات کئے۔ اب روسی عورتوں کے لئے کام لینے کے قوانین میں نرمی کی جارہی ہے۔ زچگی کی چھٹیوں میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ اوقاتِ کار کم کردیے گئے ہیں۔ جن عورتوں کو شوہر میسر نہیں یا جو شادی نہیں کرنا چاہتیں، اُنہیں تین تک حرامی بچے پیدا کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہماری حکومت تو حلال بچوں پر بھی دو کی پابندی لگا رہی ہے لیکن غیر مسلم ممالک حرامی بچوں کی تعداد بھی تین تک مقرر کررہے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں جب ایک روسی عورت نے پندرھواں بچہ پیدا کیا تو حکومت نے اس کے والدین کو ایک بس تحفے میں دی۔ اس کے علاوہ بچے کی ماں کو ایک ڈاکٹر اور ایک نرس کی مفت خدمات فراہم کی گئیں۔

یادرہے کہ ان سب اقدامات کے باوجود روس کی شرح پیدائش ۲۰۰۳ء میں بھی ۱ء۳۳ بچے فی عورت سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنسی بے راہرویوں پر چلنے کے بعد واپسی اتنی آسان نہیں ہوتی۔ بہرحال مسلمانوں کے لئے اس میں مقامِ فکر ہے کہ کافر تو اپنی آبادی بڑھانے پر فکرمند ہیں لیکن ہم ہیں کہ بلاسوچے سمجھے اپنی آبادی گھٹائے جارہے ہیں۔ وہ یہ بات بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ جب آبادی کم ہوگی تو ملک کیلئے کام کرنیوالے نوجوان ہاتھ کم ہوں گے۔ بوڑھے زیادہ ہوں گے۔ اُلٹا انہیں پنشن اور مراعات زیادہ دینی پڑیں گی لیکن یہ مراعات بھی ٹیکسوں سے حاصل ہوتی ہیں اور جب کام کرنے والی آبادی ہی نہ ہوگی تو ٹیکس کن پر لگیں گے۔ اسکے علاوہ ملک کا دفاع کرنے کے لئے بھی نوجوان چاہئیں۔ جب نوجوان ہی کم ہوں گے تو کوئی قوم اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکے گی۔ چنانچہ انہیں تو ان خطروں کا احساس ہے اور وہ فوری اقدامات کررہے ہیں لیکن مغرب کی تقلید میں گرفتار ہمارے حکمرانوں کو نجانے یہ بات کب سمجھ آئے گی؟ (مجلّہ الدعوۃ: جون ۲۰۰۵ء: ص ۳۱)

www.KitaboSunnat.com